مقالات

ڈاکٹر محمد اکبر ربانی ☆

تفسیر ابن کثیر ..... منہج اور خصوصیات

عماد الدین ابوفدا اسمٰعیل بن عمر بن کثیرؒ ۷۰۱ھ[1] میں شام کے شہر بصریٰ کے مضافات میں 'مجدل' نامی بستی میں پیدا ہوئے[2] اور دمشق میں تعلیم و تربیت پائی۔ آپ نے اپنے عہد کے ممتاز علماء سے استفادہ کیا اور تفسیر، حدیث، فقہ، اصول، تاریخ، علم الرجال اور نحو و لغتِ عربی میں مہارت حاصل کی[3]۔ آپ نے ۷۷۴ھ میں دمشق میں وفات پائی اور مقبرۂ صوفیہ میں مدفون ہوئے۔[4]

امام ابن کثیر بحیثیتِ مفسر، محدث، مؤرخ اور نقاد ایک مسلمہ حیثیت کے حامل ہیں۔ آپ نے علومِ شرعیہ میں متعدد بلند پایہ کتب تحریر کیں۔ تفسیر القرآن العظیم اور ضخیم تاریخ البدایة والنهایة آپ کی معروف تصانیف ہیں جن کی بدولت آپ کو شہرتِ دوام حاصل ہوئی۔ زیرِ نظر مضمون اول الذکر کتاب کے تذکرہ پر مشتمل ہے۔

تعارفِ تفسیر

علامہ ابن کثیرؒ نے قرآن کی جو تفسیر لکھی وہ عموماً تفسیر ابن کثیر کے نام سے معروف ہے اور قرآنِ کریم کی تفاسیر ماثورہ میں بہت شہرت رکھتی ہے۔ اس میں مؤلف نے مفسرین سلف کے تفسیری اَقوال کو یکجا کرنے کا اہتمام کیا ہے اور آیات کی تفسیر اَحادیثِ مرفوعہ اور اَقوال و آثار کی روشنی میں کی ہے۔ تفسیر ابن جریر کے بعد اس تفسیر کو سب سے زیادہ معتبر خیال کیا جاتا ہے۔ اس کا قلمی نسخہ کتب خانہ خدیویہ مصر میں موجود ہے۔ یہ تفسیر دس جلدوں میں تھی۔ ۱۳۰۰ھ میں یہ پہلی مرتبہ نواب صدیق حسن خان کی تفسیر 'فتح البیان' کے حاشیہ پر بولاق، مصر سے شائع ہوئی۔ ۱۳۴۳ھ میں تفسیر بغوی کے ہمراہ نو جلدوں میں مطابع المنار، مصر سے شائع ہوئی۔ پھر ۱۳۸۴ھ میں اس کو تفسیر بغوی سے الگ کر کے بڑے سائز کی چار جلدوں میں مطبع المنار، مصر سے شائع کیا گیا۔ بعد ازاں یہ کتاب متعدد بار شائع ہوئی ہے۔ احمد محمد شاکر نے اس کو بحذفِ اسانید شائع کیا ہے۔ محققین نے اس پر تعلیقات اور حاشئے تحریر کئے ہیں جن میں سید رشید رضا کا تحقیقی حاشیہ مشہور ہے۔ علامہ احمد محمد شاکر (م ۱۹۵۸ء) نے عمدة التفسیر عن الحافظ ابن کثیر کے نام سے اس کی تلخیص کی ہے۔ اس میں آپ نے عمدہ علمی فوائد جمع کئے ہیں، لیکن یہ نامکمل ہے۔ اس

☆ لیکچرر شعبۂ اسلامیات، گورنمنٹ ایس ای کالج، بہاولپور

کی پانچ جلدیں طبع ہو چکی ہیں اور اختتام سورۃ الانفال کی آٹھویں آیت پر ہوتا ہے۔

محمد علی صابونی نے تفسیر ابن کثیر کو تین جلدوں میں مختصر کیا اور 'مختصر تفسیر ابن کثیر' کے نام سے اسے ۱۳۹۳ھ میں مطبع دارالقرآن الکریم، بیروت سے شائع کیا۔ بعد ازاں محمد نسیب رفاعی نے اس کو چار جلدوں میں مختصر کیا اور اسے تیسیر العلي القدير لاختصار تفسير ابن كثير کے نام سے موسوم کیا۔ یہ ۱۳۹۲ھ میں پہلی مرتبہ بیروت سے شائع ہوئی۔

مصادر و مآخذ

علامہ ابن کثیرؒ نے اپنی تفسیر کی ترتیب وتشکیل میں سینکڑوں کتب سے استفادہ کیا اور بے شمار علما کے اَقوال و آراء کو اپنی تصنیف کی زینت بنایا ہے۔ چند اہم مآخذ کے نام یہ ہیں:

تفاسیر قرآن: طبری، قرطبی، رازی، ابن عطیہ، ابومسلم الاصفہانی، واحدی، زمخشری، وکیع بن جراح، سدی، ابن ابی حاتم، سنید بن داود، عبد بن حمید، ابن مردویہ وغیرہ

علوم قرآن: فضائل القرآن از ابوعبید القاسم، مقدمہ فی اصول تفسیر ابن تیمیہ وغیرہ۔

کتبِ حدیث: صحاحِ ستہ، صحیح ابن حبان، صحیح ابن خزیمہ، موطأ امام مالک، مستدرک حاکم، سنن دارقطنی، مسند شافعی، مسند دارمی، مسند ابویعلی موصلی، مسند عبد بن حمید، مسند ابوبکر بزار، معجم کبیر طبرانی وغیرہ۔

کتب تراجم اور جرح وتعدیل: التاریخ الکبیر از امام بخاری، مشکل الحدیث از ابوجعفر طحاوی، الجرح و التعدیل از ابن ابی حاتم، الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب از ابن عبدالبر، الموضوعات از ابن جوزی وغیرہ۔

کتب سیرت و تاریخ: سیرتِ ابن اسحاق، سیرتِ ابن ہشام، مغازی سعید بن یحییٰ اموی، مغازی واقدی، دلائل نبوۃ از بیہقی، الروض الانف از سہیلی، التنوير في مولد السراج المنير از عمر بن دحیہ کلبی، تاریخ ابن عساکر وغیرہ۔

فقہ وعلم کلام: کتاب الام از امام شافعی، الارشاد فی الکلام از امام الحرمین، کتاب الاموال ابوعبید القاسم، الاشراف علی مذاہب الاشراف از ابن ہبیرہ وغیرہ۔

لغات: الصحاح از ابونصر جوہری، معانی القرآن از ابن زیاد الفراء وغیرہ۔

ان مصادر کے علاوہ فضائل شافعی از ابن ابی حاتم، کتاب الآثار والصفات از بیہقی، کشف الغطاء فی تبیین الصلوٰۃ الوسطیٰ از دمیاطی، کتاب التفکر والاعتبار از ابن ابی الدنیا، السر المکتوم از رازی اور دیگر متعدد کتب کے حوالے بھی ہمیں اس تفسیر میں ملتے ہیں، جن سے حافظ ابن کثیر کے وسعتِ مطالعہ اور تحقیقی میدان میں دلچسپی کا اندازہ ہوتا ہے۔

حافظ ابن کثیرؒ نے اپنی کئی تصانیف کے حوالے بھی تفسیر میں دیئے ہیں، مثلاً البدایہ والنھایہ، کتاب السیرۃ، الاحکام الکبیر، صفۃ النار، اَحادیث الاصول، جزء فی ذکر تطہیر المساجد، جزء فی الصلوٰۃ الوسطیٰ، جزء فی ذکر فضل یوم عرفہ، جزء فی حدیث الصور وغیرہ۔ (۵)

منہج : ذیل میں تفسیر ابن کثیر کے منہج کا تذکرہ بالاختصار پیش خدمت ہے :

تفسیر کے اصولوں کا التزام

علامہ ابن کثیرؒ نے زیر تبصرہ کتاب کا نہایت مفصل مقدمہ تحریر کیا ہے اور تفسیر کے درج ذیل اُصول متعین کئے ہیں:

تفسیر القرآن بالقرآن — تفسیر القرآن بالسنۃ
تفسیر القرآن باقوال الصحابہ — تفسیر القرآن باقوال التابعین (۶)

یہ مرکزی اور بنیادی اُصول تفسیر ابن کثیر میں یکساں طور پر بالترتیب نظر آتے ہیں۔ امام موصوف سلیس اور مختصر عبارت میں آیات کی تفسیر کرتے ہیں۔ ایک آیت کے مفہوم کو واضح کرنے کے لئے کئی قرآنی آیات یکے بعد دیگرے پیش کرتے ہیں اور اس سے متعلق جملہ معلوم احادیث ذکر کرتے ہیں، بعدازاں صحابہ، تابعین اور تبع تابعین کے اقوال و آثار درج کرتے ہیں۔ اسی انداز میں مثالیں ان کی تفسیر میں بکثرت پائی جاتی ہیں۔

سورۃ المومنون کی آیت:۵۰ ﴿وَجَعَلْنَا ابْنَ مَرْيَمَ وَأُمَّهُ آيَةً وَآوَيْنَاهُمَا إِلَىٰ رَبْوَةٍ ذَاتِ قَرَارٍ وَمَعِينٍ﴾ کی تفسیر میں متعدد روایات و اَقوال نقل کئے ہیں اور مختلف مفاہیم بیان کئے ہیں۔ ایک مفہوم کو ترجیح دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

> ''یہ مفہوم زیادہ واضح اور ظاہر ہے، اس لئے کہ دوسری آیت میں بھی اس کا تذکرہ ہے، اور قرآن کے بعض حصے دوسرے حصوں کی تفسیر کرتے ہیں اور یہی سب سے عمدہ طریقہ تفسیر ہے، اس کے بعد صحیح حدیثوں کا اور ان کے بعد آثار کا نمبر آتا ہے'' (۷)

نقد و جرح

حافظ ابن کثیرؒ ایک بلند پایہ محدث تھے، اس لئے انہوں نے محدثانہ طریق پر یہ کتاب مرتب کی ہے اور نہایت احتیاط سے صحیح حدیثوں کے انتخاب کی کوشش کی ہے۔ وہ دورانِ بحث جرح و تعدیل کے اصولوں کو بروئے کار لاتے ہوئے صحیح روایات کو نکھار کر پیش کرتے ہیں، بعض روایات کو ضعیف قرار دیتے ہیں جبکہ غلط اور فاسد روایتوں کی تردید کرتے ہیں، مثلاً آیت ﴿يَوْمَ نَطْوِي السَّمَاءَ كَطَيِّ السِّجِلِّ

لِلْكُتُبِ﴾ (الانبیاء:۱۰۴) کے بارے میں ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ 'سجل' آنحضورؐ کے ایک کاتب کا نام تھا۔ اس پر تنقید کرتے ہوئے ابن کثیر تحریر کرتے ہیں:

''یہ منکر روایت ہے اور قطعاً صحیح نہیں۔ ابن عباسؓ سے بھی جو روایت بیان کی جاتی ہے، وہ ابوداود میں ہونے کے باوجود غلط ہے۔ حفاظ کی ایک جماعت نے اس کی وضعیت پر ایک مستقل رسالہ تحریر کیا ہے اور ابن جریر نے بھی اس کا نہایت پرزور ردّ کیا ہے۔ اس روایت کے ضعیف ہونے کا سب سے بڑا ثبوت یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے تمام کاتبین وحی نہایت مشہور لوگ ہیں اور ان کے نام معروف ہیں۔ صحابہ میں بھی کسی کا نام 'سجل' نہ تھا''(۸)

علامہ ابن کثیرؒ مختلف روایتوں کے متعدد طرق و اسناد کا ذکر کرکے رواۃ پر بھی جرح کرتے ہیں، مثلاً سورۃ البقرۃ کی آیت:۱۸۵ ﴿هُدًى لِّلنَّاسِ وَبَيِّنَاتٍ مِّنَ الْهُدٰى﴾ کے تحت ابومعشر نجیح بن عبدالرحمٰن مدنی کو ضعیف قرار دیا ہے۔(۹) اسی طرح سورۂ مذکور کی آیت:۲۵۱ ﴿وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّفَسَدَتِ الْاَرْضُ﴾ کی تفسیر میں مختلف طرق سے روایت ایک بیان کی ہے اور یحییٰ بن سعید کو ضعیف قرار دیا ہے۔(۱۰) سورۃ نساء کی آیت:۴۳ ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ..... وَلَا جُنُبًا اِلَّا عَابِرِيْ سَبِيْلٍ حَتّٰى تَغْتَسِلُوْا﴾ کی تفسیر میں سالم بن ابی حفصہ کو متروک اور ان کے شیخ عطیہ کو ضعیف قرار دیا ہے۔(۱۱) اسی سورت کی آیت:۹۳ ﴿وَمَنْ يَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآؤُهٗ جَهَنَّمُ ..... الخ﴾ کے سلسلے میں فرماتے ہیں:

''ابن مردویہ میں حدیث ہے کہ جان بوجھ کر ایماندار کو مار ڈالنے والا کافر ہے، یہ حدیث منکر ہے اور اس کی اسناد میں بہت کلام ہے''(۱۲)

ابن کثیر نے احادیث کے ساتھ ساتھ آثارِ صحابہ اور اقوالِ تابعین بھی کثرت سے نقل کئے ہیں، لیکن ان کی صحت جانچنے کے لئے یہاں بھی انہوں نے بحث وتنقید کا معیار برقرار رکھا ہے اور ان کی تائید یا تردید میں اپنی معتبر رائے کا اظہار کیا ہے۔ مثلاً سورۃ نساء کی آیت:۴۱ ﴿فَكَيْفَ اِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ اُمَّةٍۭ بِشَهِيْدٍ ..... الخ﴾ کی تفسیر میں ابوعبداللہ قرطبی کی کتاب 'تذکرہ' کے حوالے سے حضرت سعید بن مسیّب کا قول نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

''یہ اثر ہے اور اس کی سند میں انقطاع ہے۔ اس میں ایک راوی مبہم ہے، جس کا نام ذکر نہیں کیا گیا نیز یہ سعید بن مسیّب کا قول ہے، جسے انہوں نے مرفوع بیان نہیں کیا۔''(۱۳)

جرح وقدح کے ضمن میں ابن کثیرؒ تاریخی غلطیوں اور حوالوں کی بھی تردید کرتے ہیں، مثلاً ﴿وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا قَالُوْا قَدْ سَمِعْنَا لَوْ نَشَآءُ لَقُلْنَا مِثْلَ هٰذَآ..... الخ﴾ (الانفال:۳۱) کے تحت لکھتے ہیں:

''حضور ﷺ نے بدر کے روز تین قیدیوں کے قتل کا حکم دیا تھا: (۱) عقبہ بن ابی معیط (۲) طعیمہ بن عدی اور (۳) نضر بن حارث..... سعید بن جبیر نے ایک روایت میں طعیمہ کی بجائے مطعم بن عدی کا نام بتایا ہے۔ یہ بات غلط ہے، کیونکہ مطعم بن عدی تو بدر کے روز زندہ ہی نہیں تھا، اس لئے اس روز حضور ﷺ نے فرمایا تھا کہ اگر آج مطعم بن عدی زندہ ہوتا اور ان مقتولین میں سے کسی کا سوال کرتا تو میں اس کو وہ قیدی دے دیتا۔ آپؐ نے یہ اسلئے فرمایا تھا کہ معطم نے آنحضرت ﷺ کو اس وقت تحفظ دیا تھا جب آپؐ طائف کے ظالموں سے پیچھا چھڑا کر مکہ واپس آرہے تھے''(۱۴)

شانِ نزول کا بیان

اگر کسی سورۃ یا آیت کا شانِ نزول ہے تو امام ابن کثیرؒ اپنی تفسیر میں اس کا تذکرہ کرتے ہیں، مثلاً سورۃ بقرہ کی آیت:۱۰۹ ﴿وَدَّ كَثِيرٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتَابِ لَوْ يَرُدُّوْنَكُمْ مِنْ بَعْدِ اِيْمَانِكُمْ..... الخ﴾ کے تحت لکھتے ہیں:

''ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ عرب یہودیوں میں حیی بن اَخطب اور ابو یاسر بن اَخطب دونوں مسلمانوں کے شدید ترین حاسد تھے اور وہ لوگوں کو اسلام سے روکتے تھے۔ جہاں تک ان کا بس چلتا وہ مسلمانوں کو اسلام سے برگشتہ کرنے کی کوشش کرتے۔ ان کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی، زہری کہتے ہیں کہ کعب بن اشرف شاعر تھا اور وہ اپنی شاعری میں نبی ﷺ کی ہجو کیا کرتا تھا۔ اس کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی''(۱۵)

سورۃ اِخلاص کا شانِ نزول اس طرح بیان کیا ہے:

''مسند احمد میں ہے کہ مشرکین نے حضور ﷺ سے کہا کہ اپنے رب کے اوصاف بیان کرو، اس پر یہ آیت اتری، اور حافظ ابویعلی موصلی کہتے ہیں کہ ایک اعرابی نے رسولِ کریم ﷺ سے یہ سوال کیا تھا، اس کے جواب میں یہ سورۃ اُتری''(۱۶)

فقہی اَحکام کا بیان

ابن کثیرؒ اَحکام پر مشتمل آیات کی تفسیر کرتے ہوئے فقہی مسائل پر بحث کرتے ہیں اور اس سلسلے میں فقہا کے اِختلافی اقوال و دلائل بھی بیان کرتے ہیں، مثلاً سورۃ بقرہ کی آیت ﴿قَدْ نَرٰى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي السَّمَآءِ ..... الخ﴾ کے تحت لکھتے ہیں:

''مالکیہ نے اس آیت سے استدلال کیا ہے کہ نمازی حالتِ نماز میں اپنی نظریں اپنے سامنے رکھے نہ کہ سجدہ کی جگہ جیسا کہ شافعیؒ، احمدؒ اور ابوحنیفہؒ کا مسلک ہے۔ اس لئے کہ آیت کے لفظ یہ ہیں ﴿فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ﴾ ''یعنی مسجد حرام کی طرف منہ کرو اور اگر وہ سجدہ کی جگہ نظر جمانا چاہے گا تو اسے قدرے جھکنا پڑے گا اور یہ جھکنا مکمل قیام کے منافی ہوگا۔ بعض مالکیہ

کا یہ قول بھی ہے کہ قیام کی حالت میں اپنے سینے پر نظر رکھے۔ قاضی شریک کہتے ہیں کہ نمازی قیام میں سجدے کی جگہ نظر رکھے جیسے کہ جمہور علماء کا قول ہے، اس لئے کہ اس میں پورا پورا خشوع خضوع ہے۔ اس مضمون کی ایک حدیث بھی موجود ہے اور رکوع کی حالت میں اپنے قدموں کی جگہ نظر رکھے اور سجدے کے وقت ناک کی جگہ اور قعدہ کی حالت میں اپنی آغوش کی طرف''(۱۷)

﴿فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ﴾ (البقرۃ: ۱۸۵) کی تفسیر میں مؤلف نے چار مسائل ذکر کر کے اس بارے میں علماء کے مختلف مسالک اور ان کے براہین و دلائل بیان کئے ہیں:(۱۸)

سورہ نساء کی آیت: ۴۳، کے تحت تیمم کے مسائل اور احکام ذکر کئے گئے ہیں۔(۱۹)

﴿لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ بِاللَّغْوِ فِيْ أَيْمَانِكُمْ..... الخ﴾ (المائدۃ:۸۹) کے تحت قصداً قسم کے سلسلے میں کفارہ ادا کرنے کے مسائل بیان کئے گئے ہیں۔(۲۰)

امام ابن کثیرؒ فقہی مسائل میں عموماً شافعی مسلک کی تائید کرتے ہیں۔

روایات و اقوال میں تطبیق

ابن کثیر مختلف و متضاد روایات میں جمع و تطبیق کی کوشش کرتے ہیں اور ان کے مابین محاکمہ کرتے ہیں، مثلاً سورۃ آلِ عمران کی آیت: ۱۶۹ ﴿وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ أَمْوَاتًا بَلْ أَحْيَاءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ﴾ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''صحیح مسلم میں ہے، مسروقؒ کہتے ہیں: ہم نے عبداللہؓ بن مسعود سے اس آیت کا مطلب پوچھا تو حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے فرمایا کہ ہم نے رسول اللہ ﷺ سے اس آیت کا مطلب دریافت کیا تو آپؐ نے فرمایا: شہیدوں کی روحیں پرندوں کے قالب میں ہیں اور ان کے لئے قندیلیں ہیں جو عرش کے ساتھ لٹک رہی ہیں۔ وہ ساری جنت میں جہاں کہیں چاہیں، کھائیں، پئیں اور ان قندیلوں میں آرام کریں، لیکن مسند احمد میں ہے کہ شہید لوگ جنت کے دروازے پر نہر کے کنارے سبز گنبد میں ہیں، صبح و شام انہیں جنت کی نعمتیں پہنچ جاتی ہیں۔ دونوں حدیثوں میں تطبیق یہ ہے کہ بعض شہداء وہ ہیں جن کی روحیں پرندوں کے قالب میں ہیں اور بعض وہ ہیں جن کا ٹھکانہ یہ گنبد ہے، اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ وہ جنت میں سے پھرتے پھراتے یہاں جمع ہوتے ہوں اور پھر انہیں یہیں کھانے کھلائے جاتے ہوں۔ واللہ اعلم!''(۲۱)

آپ مختلف تفسیری اقوال میں بھی تطبیق دیتے ہیں مثلاً سورۂ قصص کی آیت: ۸۵ ﴿لَرَآدُّكَ إِلٰى مَعَادٍ﴾ کے بارے میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے تین قول نقل کئے ہیں: (۱) موت (۲) جنت اور (۳) مکہ۔ ان تینوں اقوال میں یہ تطبیق دی ہے کہ مکہ کا مطلب فتح مکہ ہے جو آنحضور ﷺ کی موت کی قربت کی دلیل ہے اور روزِ قیامت مراد لینے کا مطلب یہ ہے کہ وہ بہرحال موت کے بعد ہی ہوگا اور

جنت اس لئے کہ تبلیغ رسالت کے صلہ میں آپ کا ٹھکانہ وہی ہوگا۔ (۲۲)

قرآنی آیات کا ربط وتعلق

ابن کثیرؒ قرآن مجید کے ربط ونظم کا تذکرہ بھی کرتے ہیں۔ وہ اپنی تفسیر میں آیات کے باہمی تعلق اور مناسبت کو اس طرح بیان کرتے ہیں کہ قرآنِ پاک ایک مربوط ومنظم کتاب نظر آتی ہے، اس سلسلے میں متعدد مثالیں تفسیر ابن کثیر میں نظر آتی ہیں، مثلاً آیت ﴿إِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسَاكِيْنَ..... الخ﴾ (التوبہ:۶۰) کے سلسلے میں رقم طراز ہیں:

''سورۃ توبہ کی آیت:۸۵ ﴿وَمِنْهُمْ مَنْ يَلْمِزُكَ فِي الصَّدَقٰتِ ..... الخ﴾ میں ان جاہل منافقوں کا ذکر تھا جو ذاتِ رسولؐ پر تقسیم صدقات کے سلسلے میں اعتراض کرتے تھے۔ اب یہاں اس آیت میں فرمایا کہ تقسیم زکوٰۃ پیغمبر کی مرضی پر موقوف نہیں بلکہ ہمارے بتلائے ہوئے مصارف میں ہی لگتی ہے، ہم نے خود اس کی تقسیم کردی ہے، کسی اور کے سپرد نہیں کی۔'' (۲۳)

﴿أُولٰئِكَ يُجْزَوْنَ الْغُرْفَةَ بِمَا صَبَرُوْا..... الخ﴾ (الفرقان:۷۵،۷۶) کے متعلق فرماتے ہیں

''چونکہ اللہ تعالیٰ نے اس سے پہلی آیات میں اپنے مؤمن بندوں کے پاکیزہ اوصاف اور عمدہ طور طریقوں کا ذکر کیا تھا، اس لئے اس کی مناسبت سے اس آیت میں ان کی جزا کا ذکر کیا ہے۔'' (۲۴)

قرآن مجید میں بعض مقامات پر مؤمن اور باطل فرقوں کے لئے اُسلوبِ تقابل اختیار کیا گیا ہے جو اس کے منظم ومربوط ہونے کی بہت بڑی دلیل ہے۔ علامہ ابن کثیرؒ نے یہاں بھی آیتوں کی مناسبت اور ان کا باہمی ربط بیان کیا ہے، مثلاً ﴿وَبَشِّرِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ.....الخ﴾ (البقرۃ:۲۵) کے بارے میں تحریر کرتے ہیں:

''چونکہ اللہ تعالیٰ نے پہلے اپنے دشمنوں یعنی بدبخت کفار کی سزا اور رسوائی کا تذکرہ کیا تھا، اس لئے اب اس کی مناسبت سے یہاں اس کے مقابلہ میں اپنے دوستوں یعنی خوش قسمت ایماندار صالح ونیک لوگوں کے اَجر کا ذکر کر رہا ہے، اور صحیح قول کے مطابق قرآن مجید کے 'مثانی' ہونے کا یہی مطلب ہے کہ ایمان کے ساتھ کفر اور سعادت مندوں کے ساتھ بدبختوں یا اس کے برعکس یعنی کفر کے ساتھ ایمان اور بدبختوں کے ساتھ سعادت مندوں کا تذکرہ کیا جائے۔ اس بحث کا حاصل یہ ہے کہ اگر کسی چیز کے ساتھ اس کے مقابل کا ذکر کیا جائے تو یہ 'مثانی' کہلائے گا اور اگر کسی چیز کے ساتھ اس کے 'امثال ونظائر' کا تذکرہ کیا جائے تو یہ 'متشابہ' ہوگا۔'' (۲۵)

حروفِ مقطعات پر بحث

حروفِ مقطعات کے بارے میں امام ابن کثیرؒ کا نقطہ نظر یہ ہے:

''جن جاہلوں کا یہ خیال ہے کہ قرآن کی بعض چیزوں کی حیثیت محض تعبدی ہے، وہ شدید غلطی پر ہیں۔ یہ تو بہرحال متعین ہے کہ ان حروف (مقطعات) کے کوئی نہ کوئی معنی ضرور ہیں، خدا نے ان کو عبث نازل نہیں فرمایا، اگر ان کے متعلق نبی کریم ﷺ سے کوئی بات ثابت ہوگی تو ہم اسے بیان کریں گے اور اگر حدیث سے کوئی بات معلوم نہ ہوگی تو ہم توقف کریں گے اور یہ کہیں گے کہ ﴿آمَنَّا بِهِ كُلٌّ مِنْ عِنْدِ رَبِّنَا وَمَا يَذَّكَّرُ إِلَّا أُولُوا الْأَلْبَابِ﴾

حروفِ مقطعات کے متعلق علمائے امت کا کسی ایک قول اور مفہوم پر اجماع نہیں ہے بلکہ اختلافات ہیں، اس لئے اگر کسی دلیل سے کسی کے نزدیک کوئی مفہوم زیادہ واضح ہے تو اس کو وہ مفہوم اختیار کرلینا چاہئے، ورنہ حقیقتِ حال کے انکشاف تک توقف کرنا چاہئے۔''(۲۶)

ابن کثیر نے زیر بحث کتاب میں حروفِ مقطعات پر عمدہ بحث کی ہے، اس سلسلے میں وہ مختلف مفسرین کے اَقوال کی روشنی میں ان کے معانی و مفاہیم متعین کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔(۲۷)

فضائل سور و آیات

تفسیر ابن کثیر میں سورتوں اور آیتوں کے فضائل وخصوصیات، آنحضور ﷺ کا ان پر تعامل اور امت کو ترغیب وتلقین کا تذکرہ بھی پایا جاتا ہے۔ اس سلسلے میں ابن کثیر نے اہم کتبِ احادیث کے علاوہ امام نسائی کی معروف تصنیف عمل الیوم واللیلة اور امام بیہقی کی کتاب الخلافیات سے بھی استفادہ کیا ہے۔ زیر تبصرہ کتاب کے آغاز میں سورۃ بقرہ اور سورہ آل عمران کے فضائل کا مفصل بیان ہے۔ اسی طرح آیت ﴿وَلَقَدْ آتَيْنَاكَ سَبْعاً مِنَ الْمَثَانِي﴾ (الحجر:۸۷) کے تحت سبع مثانی کی تفسیر میں سات مطول سورتوں بشمول سورۃ البقرہ وآل عمران کے فضائل وخصائص تحریر کئے گئے ہیں۔(۲۸)

امام ابن کثیرؒ سورۃ حشر کی آخری تین آیتوں کے متعلق فرماتے ہیں:

''مسند احمد کی حدیث میں ہے کہ جو شخص صبح کو تین مرتبہ أعوذ بالله السميع العليم من الشيطن الرجيم پڑھ کر سورۃ حشر کی آخری تین آیتوں کو پڑھ لے تو اللہ تعالیٰ اس کے لئے ستر ہزار فرشتے مقرر کرتا ہے جو شام تک اس پر رحمت بھیجتے ہیں اور اگر اسی دن اس کا انتقال ہوجائے تو شہادت کا مرتبہ پاتا ہے اور جو شخص انکی تلاوت شام کے وقت کرے، وہ بھی اسی حکم میں ہے''۔(۲۹)

امام صاحب ایک جگہ لکھتے ہیں کہ ''جادو کو دور کرنے اور اس کے اثر کو زائل کرنے کے لئے سب سے اعلیٰ چیز معوذتین یعنی سورۃ الفلق اور سورۃ الناس ہیں۔ حدیث میں ہے کہ ان جیسا کوئی تعویذ نہیں۔ اسی طرح آیت الکرسی بھی شیطان کو دفع کرنے میں اعلیٰ درجہ کی چیز ہے''۔(۳۰)

اشعار سے استشہاد

ابن کثیر نے اپنی تفسیر میں ایک انداز یہ بھی اختیار کیا ہے کہ وہ کسی آیت کے معنی ومفہوم کو واضح

کرنے کیلئے حسبِ موقع عربی اشعار پیش کرتے ہیں۔ یہ طرز غالباً انہوں نے طبری سے حاصل کیا ہے۔

آیت ﴿قُلْ مَتَاعُ الدُّنْيَا قَلِيْلٌ وَالاٰخِرَةُ خَيْرٌ لِمَنِ اتَّقٰى﴾ (النساء:۷۷) کی تفسیر بیان کرتے ہوئے موصوف نے ابومصہر کے یہ اَشعار بیان کئے ہیں:

ولا خير فى الدنيا لمن لم يكن له — من الله فى دار المقام نصيب
فان تعجب الدنيا رجالا فإنها — متاع قليل والزوال قريب (۳۱)

''اس شخص کے لئے دنیا میں کوئی بھلائی نہیں جس کو اللہ کی طرف سے آخرت میں کوئی حصہ ملنے والا نہیں۔ گویا دنیا بعض لوگوں کو پسندیدہ معلوم ہوتی ہے، لیکن دراصل یہ معمولی سا فائدہ ہے اور وہ بھی ختم ہونے والا ہے''

آیت ﴿وَإِنِّي لَاَظُنُّكَ يٰفِرْعَوْنُ مَثْبُوْرًا﴾ (بنی اسرائیل:۱۰۲) میں لفظ مثبور کے معنی ہلاک ہونا۔ ابن کثیر کہتے کہ یہ معنی عبداللہ بن زبعریٰ کے اس شعر میں بھی ہیں:

إذا جار الشيطن فى سنن الغى — و من مال ميله مثبور (۳۲)

''جب شیطان سرکشی کے طریقوں پر چلتا ہے اور پھر جو لوگ بھی اس کے طریقے پر چلیں تو وہ ہلاک ہوجاتے ہیں۔''

لغتِ عرب سے استدلال

ابن کثیرؒ تفسیر میں لغت سے بھی استدلال کرتے ہیں اور اَقوال عرب کو نظائر وشواہد کے طور پر پیش کرتے ہوئے آیت کی تشریح وتوضیح کرتے ہیں مثلاً ﴿فَقَلِيْلاً مَّا يُؤْمِنُوْنَ﴾ (البقرۃ:۸۸) کے متعلق لکھتے ہیں

''اس کے ایک معنی یہ ہیں کہ یہ بالکل ایمان نہیں رکھتے، جیسے عرب کہتے ہیں "قلما رأيت مثل هذا قط" مطلب یہ ہے کہ میں نے اس جیسا بالکل نہیں دیکھا'' (۳۳)

﴿يَسْئَلُوْنَكَ مَاذَا أُحِلَّ لَهُمْ قُلْ أُحِلَّ لَكُمُ الطَّيِّبٰتِ وَمَا عَلَّمْتُمْ مِنَ الْجَوَارِحِ مُكَلِّبِيْنَ﴾ (المائدۃ:۴) کی تفسیر میں لفظ 'جوارح' کو زیر بحث لاتے ہوئے لکھتے ہیں:

''شکاری حیوانات کو 'جوارح' اس لئے کہا گیا ہے کہ 'جرح' سے مراد کسب اور کمائی ہے، جیسے کہ عرب کہتے ہیں: فلان جرح أهله خيراً یعنی فلاں شخص نے اپنے اہل وعیال کے لئے بھلائی حاصل کرلی ہے۔ نیز عرب کا ایک قول یہ بھی ہے: فلان لا جارح له ''یعنی فلاں شخص کا کوئی کمانے والا نہیں'' (۳۴)

جمہور مفسرین اور ابن کثیر

ابن کثیرؒ اپنی تفسیر میں متقدمین علماءِ تفسیر کے مختلف اَقوال کا قدرِ مشترک تلاش کرکے اس کو ہم معنی

ثابت کرتے ہیں اور اکثر جمہور علماء اہل سنت والجماعت کے نقطہ نظر سے اتفاق کرتے ہیں مثلاً آیت ﴿وَمَنْ كَانَ مَرِيضًا أَوْعَلَىٰ سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ أَيَّامٍ أُخَرَ﴾ (البقرۃ:۱۸۵) کے تحت ابن کثیر قضا روزوں کے مسئلہ پر جمہور کا یہ مسلک اختیار کرتے ہیں کہ قضا روزے پے در پے رکھنا واجب نہیں بلکہ یہ مرضی پر منحصر ہے کہ ایسے روزے الگ الگ دنوں میں رکھے جائیں یا متواتر دنوں میں۔(۳۵)

ابن کثیر نقل و روایت میں مقلد نہ تھے بلکہ ان کی تنقید و تردید بھی کرتے تھے، اس لئے وہ سلف کی تفسیروں کے پابند ہونے کے باوجود بعض اوقات ان کی آرا سے اختلاف بھی کرتے ہیں، مثلاً آیت ﴿فَلَمَّا آتَاهُمَا صَالِحًا جَعَلَا لَهُ شُرَكَاءَ فِيمَا آتَاهُمَا..... الخ﴾ (الاعراف:۱۹۰) کی تفسیر میں ابن عباسؓ کی روایت بیان کی ہے کہ حضرت حوا کی جو اولاد پیدا ہوتی، وہ ان کو اللہ تعالیٰ کی عبادت کے لئے مخصوص کر دیتی تھیں اور ان کا نام عبداللہ، عبید اللہ وغیرہ رکھتی تھیں لیکن یہ بچے مر جاتے تھے۔ ایک دن ابلیس حضرت آدمؑ و حواؑ کے پاس آیا اور کہنے لگا کہ اگر تم اپنی اولاد کا کوئی اور نام رکھو گے تو وہ زندہ رہے گی۔ اب حواؑ کا جو بچہ پیدا ہوا تو ماں باپ نے اس کا نام عبدالحارث رکھا۔ اسی بنا پر اللہ نے فرمایا: ﴿جعلا له شركآء فيما اتهما﴾ ''اللہ کی دی ہوئی چیز میں وہ دونوں اللہ کے شریک قرار دینے لگے۔''

پھر ابن کثیرؒ لکھتے ہیں:

''اس روایت کو ابن عباسؓ سے ان کے شاگرد مجاہد، سعید بن جبیر، عکرمہ اور طبقہ ثانیہ کے قتادہ اور سدی وغیرہ نے نقل کیا ہے۔ اسی طرح سلف سے خلف تک بہت سے مفسرین نے اس آیت کی یہی تفسیر کی ہے، لیکن ظاہر یہ ہے کہ یہ واقعہ اہل کتاب سے لیا گیا ہے، اس کی ایک بڑی دلیل یہ ہے کہ ابن عباسؓ اس واقعہ کو اُبیؓ بن کعب سے روایت کرتے ہیں، جیسے کہ ابن ابی حاتم میں ہے لہٰذا میرے نزدیک یہ اثر نا قابل قبول ہے۔''(۳۶)

سورۂ حج کی آیت:۵۲ ﴿وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَسُولٍ وَلَا نَبِيٍّ إِلَّا إِذَا تَمَنَّىٰ أَلْقَى الشَّيْطَانُ فِي أُمْنِيَّتِهِ﴾ کے متعلق ابن کثیر کو جمہور کے نقطہ نظر سے اتفاق نہیں ہے، چنانچہ لکھتے ہیں:

''یہاں اکثر مفسرین نے 'غرانیق' کا قصہ نقل کیا ہے اور یہ بھی کہ اس واقعہ کی وجہ سے اکثر مہاجرین حبشہ یہ سمجھ کر کہ اب مشرکین مکہ مسلمان ہوگئے ہیں، واپس مکہ آ گئے، لیکن یہ سب مرسل روایتیں ہیں جو میرے نزدیک مستند نہیں ہیں۔ ان روایات کو محمد بن اسحٰق نے سیرت میں نقل کیا ہے، لیکن یہ سب مرسل اور منقطع ہیں۔ امام بغویؒ نے بھی اپنی تفسیر میں ابن عباسؓ اور محمد بن کعب قرظی سے اس طرح کے اقوال نقل کرنے کے بعد خود ہی ایک سوال وارد کیا ہے کہ جب رسول کریمؐ کی عصمت کا محافظ خود خدا تعالیٰ ہے تو ایسی بات کیسے واقع ہوگئی؟ پھر اس کے کئی جوابات دیئے ہیں، جن میں سب سے صحیح اور قرین قیاس جواب یہ ہے کہ شیطان نے یہ الفاظ مشرکین کے کانوں میں

ڈالے، جس سے ان کو یہ وہم ہوگیا کہ یہ الفاظ آنحضور ﷺ کے منہ سے نکلے ہیں۔ حقیقت میں ایسا نہیں تھا بلکہ یہ صرف شیطانی حرکت تھی، رسول اللہ ﷺ کا اس سے کوئی تعلق نہیں''۔ (۳۷)

علم القراءت اور لغوی تحقیق

ابن کثیرؒ قرآنی آیات کی تفسیر کرتے ہوئے حسبِ موقع اختلافِ قراءت و اِعراب، صرفی ونحوی ترکیب اور اَلفاظ کی لغوی تحقیق کے علاوہ ان کے مصادر، تثنیہ، جمع اور اصطلاحی مفہوم بھی بیان کرتے ہیں، مثلاً آیت ﴿وَلَقَدْ مَكَّنّٰكُمْ فِي الْأَرْضِ وَجَعَلْنَا لَكُمْ فِيهَا مَعَايِشَ﴾ (الاعراف:۱۰) میں لفظ 'معایش' کی وضاحت اس طرح کرتے ہیں:

''لفظ معایش کو سب لوگ 'ی' کے ساتھ پڑھتے ہیں یعنی ہمزہ کے ساتھ معائش نہیں پڑھتے، لیکن عبدالرحمٰن بن ہرمز اس کو ہمزہ کے ساتھ پڑھتے ہیں، اور صحیح تو یہی ہے جو اکثر کا خیال ہے یعنی بلا ہمزہ، اس لئے کہ معایش جمع معیشة کی ہے۔ یہ مصدر ہے، اس کے اَفعال عاش، یعیش، معیشة ہیں۔ اس مصدر کی اصلیت ہے معیشة، کسرہ 'ی' پر ثقیل تھا، اس لئے عین کی طرف منتقل کردیا گیا ہے۔ اور لفظ مَعْیِشَة، مَعِیْشَة بن گیا۔ پھر اس واحد کی جب جمع بن گئی تو 'ی' کی طرف حرکت پھر لوٹ آئی کیونکہ اب ثقالت باقی نہیں رہی۔ چنانچہ کہا گیا کہ معایش کا وزن مفاعل ہے، اسلئے کہ اس لفظ میں 'ی' اصل ہے بخلاف مدائن، صحائف اور بصائر کے کہ یہ مدینہ، صحیفہ اور بصیرة کی جمع ہیں، چونکہ 'ی' اس میں زائد ہے، لہٰذا جمع بروزن فَعَائل ہوگی اور ہمزہ بھی آئے گا'' (۳۸)

﴿وَإِذْ تَأَذَّنَ رَبُّكَ لَيَبْعَثَنَّ عَلَيْهِمْ..... الخ﴾ (الاعراف:۱۶۷) میں لفظ تَأَذَّنَ پر اس طرح بحث کرتے ہیں:

''تأذن بروزن تَفَعَّلَ اذان سے مشتق ہے یعنی حکم دیا یا معلوم کرایا اور چونکہ اس آیت میں قوتِ کلام کی شان ہے، اس لئے لَيَبْعَثَنَّ کا 'ل' معنی قسم کا فائدہ دے رہا ہے، اس لئے 'ل' کے بعد ہی یبعثن لایا گیا۔ عَلَيْهِمْ کی ضمیر یہود کی طرف ہے''۔ (۳۹)

لغوی بحث کی عمدہ مثال ہمیں زیر تبصرہ کتاب کے آغاز میں تعوذ، تسمیہ اور سورۃ الفاتحہ کی تفسیر میں نظر آتی ہے۔ ابن کثیر لفظ 'صلوٰۃ' کی تحقیق فرماتے ہیں:

''عربی لغت میں 'صلوٰۃ' کے معنی دعا کے ہیں، اعشیٰ کا شعر ہے:

لها حارس لا يبرح الدهر بيتها — وان ذبحت صلى عليها و زمزما

یہ شعر بھی اعشیٰ سے منقول ہے:

وقابلها الريح فى دنها — وصلى على دنها وارتسم

ان اشعار میں 'صلوٰۃ' کا لفظ دعا کے معنوں میں استعمال ہوا ہے۔ شریعت میں اس لفظ کا استعمال نماز پر ہے۔ یہ رکوع وسجود اور دوسرے خاص اَفعال کا نام ہے جو جملہ شرائط، صفات اور اقسام کے

ساتھ سرانجام دیئے جاتے ہیں۔ ابن جریر فرماتے ہیں کہ نماز کو 'صلوٰۃ' اس لئے کہا جاتا ہے کہ نمازی اللہ تعالیٰ سے اپنے عمل کا ثواب طلب کرتا ہے اور اپنی حاجتیں اللہ تعالیٰ سے مانگتا ہے اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ جو دو رگیں پیٹھ سے ریڑھ کی ہڈی کے دونوں طرف آتی ہیں، انہیں عربی میں صلوین کہتے ہیں۔ چونکہ نماز میں یہ حرکت کرتی ہیں، اس لئے نماز کو صلوٰۃ کہا گیا ہے، لیکن یہ قول ٹھیک نہیں ہے۔ بعض نے یہ کہا کہ یہ ماخوذ ہے صلی سے، جس کے معنی ہیں: چپک جانا اور لازم ہوجانا، جیسا کہ قرآن میں ہے ﴿ لَا يَصْلَاهَا ﴾ یعنی جہنم میں ہمیشہ نہ رہے گا مگر بدبخت۔ بعض علما کا قول ہے کہ جب لکڑی کو درست کرنے کے لئے آگ پر رکھتے ہیں تو عرب اسے تَصْلِيَة کہتے ہیں۔ چونکہ نمازی بھی اپنے نفس کی کجی اور ٹیڑھ پن کو نماز سے درست کرتا ہے، اس لئے اسے صلوٰۃ کہتے ہیں جیسے قرآن میں ہے: ﴿إِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْكَرِ وَلَذِكْرُ اللّٰهِ أَكْبَرُ﴾ ''یعنی نماز بے حیائی اور برائی سے روکتی ہے اور اللہ کا ذکر ہی بڑا ہے'' لیکن اس کا دعا کے معنی میں ہونا ہی زیادہ صحیح ہے اور زیادہ مشہور ہے۔ واللہ اعلم''(۴۰)

ابن کثیر مترادفات پر بھی خوبصورت انداز میں بحث کرتے ہیں۔ قرآن مجید میں قلیل اور تھوڑی مقدار کے لئے بطورِ تمثیل نَقِيْر، فَتِيْل اور قِطْمِيْر کے اَلفاظ استعمال ہوئے ہیں۔ موصوف سورۃ نساء کی آیت ۱۲۴ ﴿وَمَنْ يَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ مِنْ ذَكَرٍ أَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَأُولٰئِكَ يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ وَلَا يُظْلَمُوْنَ نَقِيْرًا﴾ کے تحت مذکور الفاظ کی تشریح کرتے ہیں:

وهو النقرة التى فى ظهر نواة التمر، وقد تقدم الكلام على الفتيل وهو الخيط الذى فى شق النواة وهذا النقير وهما فى نواة التمرة والقطمير وهو اللفافة التى على نواة التمرة والثلاثة فى القرآن .

''کھجور کی گٹھلی کی پشت پر جو ذرا سی جھلی ہوتی ہے، اسے نقیر کہتے ہیں۔ گٹھلی کے شگاف میں جو ہلکا سا چھلکا ہوتا ہے، اس کو فتیل کہتے ہیں۔ یہ دونوں کھجور کے بیج میں ہوتے ہیں اور بیج کے اوپر کے لفافے کو قِطمیر کہتے ہیں اور یہ تینوں لفظ اس موقع پر قرآن میں آئے ہیں''(۴۱)

ناسخ ومنسوخ

ناسخ ومنسوخ کی شناخت فن تفسیر میں نہایت اہم ہے۔ اس علم سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآنِ کریم کی کون سی آیت محکم ہے اور کون سی متشابہ۔ مفسر قرآن کے لئے اس علم میں مہارت نہایت ضروری ہے تاکہ وہ صحیح معنوں میں اَحکامات ومسائل کی توضیح وتشریح کرسکے۔ ابن کثیر اس علم میں بھی دسترس رکھتے تھے۔ وہ ناسخ ومنسوخ آیات کی وضاحت، ان کے بارے میں مفسرین اور فقہا کی اختلافی آرا اور جمہور کی تائید میں اپنے نقطہ نظر کا اظہار کرتے ہیں، مثلاً ﴿وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُوْنَ أَزْوَاجًا وَصِيَّةً لِّأَزْوَاجِهِمْ مَتَاعًا إِلَى الْحَوْلِ..... الخ﴾ (البقرۃ:۲۴۰) کے متعلق اکثر صحابہ وتابعین سے نقل کرتے

ہیں کہ یہ آیت چار مہینے دس دن والی عدت کی آیت یعنی ﴿وَالَّذِينَ يُتَوَفَّوْنَ مِنكُمْ وَيَذَرُونَ أَزْوَاجاً يَتَرَبَّصْنَ بِأَنفُسِهِنَّ أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ وَّعَشْراً﴾ (البقرۃ:۲۳۴) سے منسوخ ہوچکی ہے۔(۴۲)

﴿اِنْفِرُوْ خِفَافاً وَّثِقَالاً وَجَاهِدُوْا بِأَمْوَالِكُمْ وَأَنفُسِكُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ..... الخ﴾ (التوبۃ:۴۱) کے تحت لکھتے ہیں:

''کہ اس آیت میں غزوۂ تبوک کے لئے تمام مسلمانوں کو ہر حال میں نبی ﷺ کے ہمراہ جانے کا حکم دیا گیا ہے، خواہ کوئی آسانی محسوس کرے یا تنگی، بڑھاپے کی حالت ہو یا بیماری کا عذر۔ لوگوں پر یہ حکم گراں گزرا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اسے آیت ﴿لَيْسَ عَلَى الضُّعَفَآءِ وَلَا عَلَى الْمَرْضٰى وَلَا عَلَى الَّذِيْنَ لَايَجِدُوْنَ مَا يُنْفِقُوْنَ حَرَجٌ إِذَا نَصَحُوْا لِلّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ﴾ (التوبۃ:۹۱) سے منسوخ کردیا۔ یعنی ضعیفوں، بیماروں اور تنگ دست فقیروں پر جبکہ ان کے پاس خرچ تک نہ ہو، اگر وہ دین خدا اور شریعت مصطفیٰ ﷺ کے حامی، طرفدار اور خیرخواہ ہوں تو میدانِ جنگ میں نہ جانے پر کوئی حرج نہیں''(۴۳)

تلخیص کلام

ابن کثیرؒ کے اندازِ تفسیر کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ وہ کسی آیت کی تفسیر میں جامع بحث اور تبصرے کے بعد اس کا خلاصہ تحریر کرتے ہیں اور اخذ کردہ نتائج کو سامنے لاتے ہیں، مثلاً آیت ﴿فَمَنْ كَانَ مِنكُمْ مَرِيْضاً أَوْ عَلٰى سَفَرٍ..... الخ﴾ (البقرۃ:۱۸۴) کے متعلق اَحادیث واقوال کی روشنی میں طویل گفتگو کے بعد اس کا لب لباب تحریر کیا ہے۔(۴۴)

آیت ﴿قُلْ إِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّيَ الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ وَالْإِثْمَ وَالْبَغْيَ بِغَيْرِ الْحَقِّ﴾ (الاعراف:۳۳) کے تحت تشریح وتوضیح کے بعد لکھتے ہیں:

''حاصل بحث تفسیر یہ ہے کہ إثم سے مراد وہ خطائیں ہیں جو فاعل کی اپنی ذات سے متعلق ہیں اور بغی وہ تعدی ہے جو لوگوں تک متجاوز ہوجائے۔ اللہ تعالیٰ نے ان دونوں چیزوں کو حرام فرمایا ہے۔''(۴۵)

خصوصیات

تفسیر ابن کثیر کی چند نمایاں خصوصیات جو اسے دیگر تفاسیر سے ممتاز کرتی ہیں، درج ذیل ہیں:

اسرائیلیات

منقولی تفاسیر کی ایک بڑی خامی یہ ہے کہ ان میں اسرائیلی خرافات کثرت سے نقل کی گئی ہیں، ایسی روایات کے بارے میں ابن کثیرؒ اپنا نقطہ نظر 'تفسیر القرآن العظیم' میں یوں بیان کرتے ہیں:

''ہمارا مسلک یہ ہے کہ تفسیر میں اسرائیلی روایات سے احتراز کیا جائے۔ ان میں پڑنا وقت کا ضیاع ہے۔ اس قسم کی اکثر روایتوں میں جھوٹ بھی ہوتا ہے، کیونکہ اس امت کے ائمہ فن اور ناقدین حدیث کی طرح اہل کتاب نے صحیح وسقیم میں تفریق نہیں کی'' (۴۶)

اگرچہ تفسیر ابن کثیر بھی اسرائیلیات سے خالی نہیں ہے تاہم اس کی نمایاں خصوصیت یہ ہے کہ اس میں مؤلف اسرائیلی واقعات محض استشہاد کے طور پر بیان کرتے ہیں۔ جن پر اجمالاً اور بعض اوقات تفصیلاً نقد و جرح کرتے ہیں، مثلاً سورۃ البقرۃ کی آیت :۶۷ ﴿ إِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُكُمْ أَنْ تَذْبَحُوا بَقَرَةً﴾ کی تفسیر کرتے ہوئے بنی اسرائیل کی گائے کا طویل قصہ ذکر کیا ہے۔ پھر اس میں سلف سے منقول روایات تحریر کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

''ابوعبیدہ، ابوالعالیہ اور سدی سے جو روایات منقول ہیں، ان میں اختلاف ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ روایات بنی اسرائیل کی کتابوں سے ماخوذ ہیں۔ بلاشبہ ان کو نقل کرنا درست ہے مگر ان کی تصدیق و تکذیب نہیں کی جاسکتی، لہٰذا ان پر اعتماد کرنا درست نہیں ماسوا اس روایت کے جو اسلامی حقائق کے مطابق ہو'' (۴۷)

اسی طرح سورۃ انبیاء کی آیت ۵۱ ﴿وَلَقَدْ آتَيْنَا إِبْرَاهِيمَ رُشْدَهُ مِنْ قَبْلُ وَكُنَّا بِهِ عَالِمِينَ﴾ کے تحت تحریر کرتے ہیں:

''یہ جو قصے مشہور ہیں کہ حضرت ابراہیمؑ کے دودھ پینے کے زمانے میں ہی ان کی والدہ نے انہیں ایک غار میں رکھا تھا جہاں سے وہ مدتوں بعد باہر نکلے اور مخلوقاتِ خدا پر خصوصاً چاند، تاروں وغیرہ پر نظر ڈال کر خدا کو پہچانا، یہ سب بنی اسرائیل کے افسانے ہیں۔ ان میں سے جو واقعہ کتاب و سنت کے مطابق ہو وہ سچا اور قابل قبول ہے اس لئے کہ وہ صحت کے مطابق ہے اور جو خلاف ہو وہ مردود اور ناقابل قبول ہے اور جس کی نسبت ہماری شریعت خاموش ہو، مخالفت و موافقت کچھ نہ ہو، گو اس کا روایت کرنا بقول اکثر مفسرین جائز ہے، لیکن نہ تو ہم اسے سچا کہہ سکتے ہیں نہ غلط۔ ان (اسرائیلیات) میں سے اکثر واقعات ایسے ہیں جو ہمارے لئے کچھ سند نہیں اور نہ ہی ان میں ہمارا کوئی دینی نفع ہے۔ اگر ایسا ہوتا تو ہماری جامع، نافع، کامل وشامل شریعت اس کے بیان میں کوتاہی نہ کرتی'' (۴۸)

لیکن زیر بحث تفسیر کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ ابن کثیرؒ اسرائیلیات کے بارے میں اپنے مؤقف اور نظریہ پر مکمل طور پر کاربند نہ رہ سکے اور تساہل وتسامح اختیار کرتے ہوئے بعض ایسی روایات بھی بیان کی ہیں جن کو فی الواقع خود ان کے اصول کے مطابق اس تفسیر میں شامل نہیں کرنا چاہئے تھا، مثلاً ﴿إِتَّخَذَ اللّٰهُ إِبْرَاهِيمَ خَلِيلًا﴾ (النساء:۱۲۵) کے متعلق ابن جریرؒ کے حوالے سے ایک اسرائیلی روایت ذکر کی ہے جس کی حقیقت داستان سے زیادہ کچھ بھی نہیں۔ وہ لکھتے ہیں:

''بعض کہتے ہیں کہ ابراہیمؑ کو خلیل اللہ کا لقب اس لئے ملا کہ ایک دفعہ قحط سالی کے موقع پر آپ اپنے دوست کے پاس مصر یا موصل گئے تاکہ وہاں سے کچھ اناج وغیرہ لے آئیں، لیکن یہاں کچھ نہ ملا اور خالی ہاتھ لوٹنا پڑا۔ جب آپ واپس اپنی بستی کے قریب پہنچے تو خیال آیا کہ ریت کے تودے میں سے اپنی بوریاں بھر کر لے چلوں تاکہ گھر والوں کو قدرے تسکین ہو جائے، چنانچہ آپ نے ایسا ہی کیا اور ریت سے بھری بوریاں جانوروں پر لاد کر چلے۔ قدرتِ خداوندی سے وہ ریت سچ مچ آٹا بن گئی۔ آپ تو گھر پہنچ کر لیٹ گئے، تھکے ہارے تھے، آنکھ لگ گئی۔ گھر والوں نے بوریاں کھولیں اور انہیں بہترین آٹے سے بھرا ہوا پایا، آٹا گوندھا اور روٹیاں پکائیں۔ جب یہ جاگے اور گھر میں سب کو خوش پایا اور روٹیاں بھی تیار دیکھیں تو تعجب سے پوچھنے لگے: آٹا کہاں سے آیا جس سے روٹیاں پکائیں؟ انہوں نے کہا کہ آپ ہی تو اپنے دوست کے ہاں سے لائے ہیں۔ اب آپ سمجھ گئے اور فرمایا: ہاں! یہ میں اپنے دوست اللہ عزوجل سے لایا ہوں۔ پس اللہ تعالیٰ نے بھی آپ کو اپنا دوست بنا لیا اور آپ کا نام خلیل اللہ رکھ دیا''(۴۹)

اسی طرح ﴿وَأَيُّوبَ إِذْ نَادَىٰ رَبَّهُ أَنِّي مَسَّنِيَ الضُّرُّ وَأَنتَ أَرْحَمُ الرَّاحِمِينَ﴾ (الانبیاء:۸۳) کے تحت بعض ایسی روایات نقل کی ہیں جن کا کوئی ثبوت نہیں۔(۵۰)

﴿وَآتَيْنَاهُ أَهْلَهُ وَمِثْلَهُمْ مَعَهُمْ رَحْمَةً﴾ (الانبیاء:۸۴) کی تفسیر میں ایک روایت تحریر ہے کہ حضرت ایوبؑ کی بیوی کا نام 'رحمت' ہے۔(۵۱)

ابن کثیرؒ اس قسم کی روایات میں یہ انداز اختیار کرتے ہیں کہ ان کی تصدیق یا تکذیب کئے بغیر واللہ اعلم کہہ کر ان پر نقد و تبصرے سے گریز کرتے ہیں۔

غیر ضروری مسائل کی تحقیق و تجسس سے اِحتراز

کتبِ تفسیر کی ایک خامی یہ بھی ہے کہ ان میں غیر ضروری اور بے سود باتوں کی تحقیق بڑے اہتمام سے کی جاتی ہے جو قرآن کے مقصدِ تذکیر و استدلال کے بالکل خلاف ہے۔ ابن کثیرؒ نے ایسے مسائل کی تحقیق و جستجو کی نہ صرف مذمت کی ہے۔ اپنی تفسیر میں نہ صرف غیر ضروری اور غیر اہم مباحث کے ذکر سے حتی الامکان پرہیز کیا ہے بلکہ ایسے مسائل کی تحقیق و جستجو کی پرزور مذمت کی ہے، مثلاً ﴿فَخُذْ أَرْبَعَةً مِّنَ الطَّيْرِ﴾ (البقرۃ:۲۶۰) کے متعلق لکھتے ہیں:

''ان چاروں پرندوں کی تعیین میں مفسرین کا اختلاف ہے، حالانکہ ان کی تعیین بے سود اور غیر ضروری ہے۔ اگر یہ کوئی اہم بات ہوتی تو قرآن ضرور اس کی تصریح کرتا''(۵۲)

وسیع معلومات

ابن کثیرؒ نے تفسیر قرآن مرتب کرنے کے لئے ہر اس حدیث اور اثر کو جمع کیا جو اس میدان میں ممکن

تھی۔ قاری اس کتاب کے مطالعے سے نہ صرف احادیث و روایات کے وافر ذخیرے سے مستفیض ہوتا ہے بلکہ اسے تفسیر، فقہ و کلام اور تاریخ و سیرت کی وسیع اور مستند معلومات بھی حاصل ہوتی ہیں۔

عدمِ تکرار

ابن کثیرؒ کی تفسیر میں تکرار نہیں پایا جاتا ماسوا ان بعض روایات کے جو انہوں نے مقدمہ کی بحث میں نقل کی ہیں۔ وہ کسی آیت کی تفسیر و تشریح کو دہرانے کی بجائے اس کا اجمالاً ذکر کرتے ہیں اور اس کی تفسیر کا حوالہ دیتے ہوئے اپنی بات کو آگے بڑھاتے ہیں، مثلاً موصوف سورۃ بقرہ کی تفسیر میں حروفِ مقطعات پر شرح و بسط کے ساتھ بحث کر چکے ہیں، اس لئے بعد میں جن سورتوں میں یہ حروف آئے ہیں، ان کو زیر وضاحت نہیں لاتے، اسی طرح ﴿مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ يَلْتَقِيٰنِ﴾ (الرحمٰن:۱۹) کے متعلق لکھتے ہیں:

''ہم اس کی پوری تشریح سورۃ فرقان کی آیت ﴿وَهُوَ الَّذِيْ مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ...... الخ﴾ کی تفسیر میں بیان کر چکے ہیں'' (۵۳)

ماثور دعاؤں کا بیان

تفسیر ابن کثیر میں موقع و محل کے مطابق آنحضور ﷺ اور صحابہ کرامؓ کے معمول کی بعض دعاؤں کا تذکرہ پایا جاتا ہے۔ مثلاً رسول کریم ﷺ تہجد کے وقت جو دعائیں پڑھتے تھے، ان کو نقل کیا گیا ہے۔ (۵۴)

سنن ابن ماجہ کے حوالے سے روزہ افطار کے وقت صحابہ کرامؓ کی یہ دعا ذکر کی گئی ہے:

''اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَسْأَلُكَ بِرَحْمَتِكَ الَّتِيْ وَسِعَتْ كُلَّ شَيْئٍ اَنْ تَغْفِرَلِيْ'' (۵۵)

حضرت ابوبکرؓ کے سوال پر نبی اکرم ﷺ نے شرک سے بچنے کی یہ دعا سکھائی

اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَعُوْذُبِكَ اَنْ اُشْرِكَ بِكَ وَاَنَا اَعْلَمُ وَاَسْتَغْفِرُكَ مِمَّا لَا اَعْلَمُ (۵۶)

قصص و اَحکام کے اَسرار

تفسیر ابن کثیر کی ایک خوبی یہ ہے کہ اس میں واقعات اور احکام کے اسرار و رموز بھی بیان کئے گئے ہیں۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ یہ اسلوب مصنف نے امام فخر الدین رازی کی پیروی میں اختیار کیا ہے۔ چنانچہ ابن کثیر نے مختلف واقعات اور قصص کو بحث و تحقیق کا موضوع بنایا ہے اور حقائق تک پہنچنے کی سعی کی ہے۔ اسی طرح قرآنِ مجید کے اَحکام کو بھی انہوں نے دقتِ نظر سے لکھا ہے۔ مثلاً سورۂ فاتحہ کے تمام مطالب کی حکیمانہ تشریح کی ہے اور پھر لکھتے ہیں:

''یہ سورۂ مبارکہ نہایت کارآمد مضامین کا مجموعہ ہے۔ ان سات آیتوں میں اللہ تعالیٰ کی حمد، اس کی بزرگی، اس کی ثناء وصفت اور اس کے پاکیزہ ناموں اور اس کی بلند و بالا صفتوں کا بیان ہے۔ اس سورۃ میں قیامت کے دن کا ذکر ہے اور بندوں کو اللہ ربّ العزت کا ارشاد ہے کہ وہ صرف اسی

سے سوال کریں، اس کی طرف تضرع و زاری کریں، اپنی مسکینی و بے کسی کا اقرار کریں، اس کی عبادت خلوص کے ساتھ کریں، اس کی وحدانیت والوہیت کا اقرار کریں اور اسے شریک، نظیر اور مماثل سے پاک اور برتر جانیں۔ اس سے صراطِ مستقیم اور اس پر ثابت قدمی طلب کریں۔ یہی ہدایت انہیں قیامت کے دن پل صراط سے بھی پار پہنچا دے گی اور نبیوں، صدیقوں، شہیدوں اور صالحین کے قرب میں جنت الفردوس میں جگہ دلوائے گی۔ یہ سورۃ نیک اعمال کی ترغیب پر بھی مشتمل ہے تاکہ قیامت کے دن نیک لوگوں کا ساتھ ملے اور باطل راہوں پر چلنے سے خوف دلایا گیا ہے تاکہ قیامت کے دن ان کی جماعتوں سے دوری ہو''(۵۷)

﴿وَيُقِيمُونَ الصَّلٰوةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُونَ﴾ (البقرۃ:۳) کے تحت لکھتے ہیں:

''قرآن کریم میں اکثر جگہ نماز قائم کرنے اور مال خرچ کرنے کا ذکر ملا جلا ملتا ہے، اس لئے کہ نماز خدا کا حق ہے اور اس کی عبادت ہے جو اس کی توحید، اس کی ثنا، اس کی بزرگی، اس کی طرف جھکنے، اس پر توکل کرنے، اس سے دعا کرنے کا نام ہے اور خرچ کرنا مخلوق کی طرف احسان ہے جس سے انہیں نفع پہنچے۔ اس کے زیادہ حقدار اہل وعیال اور غلام ہیں، پھر دور والے اجنبی، پس تمام واجب خرچ اخراجات اور فرض زکوٰۃ اس میں شامل ہے''(۵۸)

سورۃ ہود کی آیت:۹۴ ﴿وَاَخَذَتِ الَّذِيْنَ ظَلَمُوا الصَّيْحَةَ﴾ کے سلسلے میں لکھتے ہیں:

''یہاں صیحة، اعراف میں رجفة اور سورۃ شعراء میں عذاب یوم الظلة کا ذکر ہے۔ حالانکہ یہ ایک ہی قوم کے عذاب کا تذکرہ ہے، لیکن ہر مقام پر اس لفظ کو لایا گیا ہے جس کا موقع کلام متقاضی تھا۔ سورۃ اعراف میں حضرت شعیبؑ کو قوم نے بستی سے نکالنے کی دھمکی دی تھی، اس لئے رجفة کہنا مناسب تھا۔ یہاں چونکہ پیغمبر سے ان کی بدتمیزی اور گستاخی کا ذکر تھا، اس لئے صیحة کا لفظ لایا گیا ہے اور سورۃ الشعراء میں انہوں نے بادل کا ٹکڑا آسمان سے اتارنے کا مطالبہ کیا تھا، اس لئے وہاں ﴿فَاَخَذَهُمْ عَذَابُ يَوْمِ الظُّلَّةِ﴾ کہا گیا اور یہ سب اسرارِ دقیقہ ہیں''(۵۹)

حیرانگی کی بات ہے کہ یہی اسلوب بعد میں علامہ محمود آلوسی نے اپنایا ہے۔

مصادر ومراجع کی نشاندہی

امام ابن کثیر آیات کی تفسیر کرتے ہوئے بوقتِ ضرورت اضافی معلومات اور اختلافی نکات کو نمایاں کرنے کے لئے اکثر مؤلفین کے نام اور بعض اوقات ان کی کتابوں کے حوالے دیتے جاتے ہیں، جن کو تصنیفِ ممدوح میں مرجع بنایا گیا ہے۔ اس طریقہ کار کے ضمنی فوائد میں سے ایک یہ ہے کہ محققین کے لئے ان مصادر سے براہِ راست مستفیض ہونے کی سہولت ہوگئی، دوسرا یہ کہ سابقہ مؤلفین کی بیش قیمت آراء اور ان کی بہت سی ایسی کتابیں جو اب نایاب ہیں، ان کے نام اور اقتباسات رنمونے بھی محفوظ ہوگئے۔

تفسیر ابن کثیر کی قدر و منزلت

مؤرخین اور اصحابِ نظر اس تفسیر کی تعریف اور توصیف میں رطب اللسان ہیں:

امام سیوطی کی رائے ہے کہ ''اس طرز پر اب تک اس سے اچھی کوئی تفسیر نہیں لکھی گئی'' (۶۰)

صاحبِ 'البدر الطالع' فرماتے ہیں:

''ابن کثیر نے اس میں بہت سا مواد جمع کر دیا ہے۔ انہوں نے مختلف مذاہب و مسالک کا نقطہ نظر اور اخبار و آثار کا ذخیرہ نقل کر کے ان پر عمدہ بحث کی ہے۔ یہ سب سے بہترین تفسیر نہ سہی، لیکن عمدہ تفاسیر میں شمار ہوتی ہے'' (۶۱)

ابوالمحاسن الحسینی کا بیان ہے:

''روایات کے نقطہ نظر سے یہ سب سے مفید کتاب ہے کیونکہ (ابن کثیر) اس میں اکثر روایات کی اسناد پر جرح و تعدیل سے کلام کرتے ہیں اور عام روایت نقل کرنے والے مفسرین کی طرح وہ مرسل روایتیں ذکر نہیں کرتے'' (۶۳)

علامہ احمد محمد شاکر لکھتے ہیں:

''امام مفسرین ابوجعفر طبری کی تفسیر کے بعد ہم نے عمدگی اور گہرائی میں (تفسیر ابن کثیر کو) سب سے بہتر پایا ہے اور ہم نہ تو ان دونوں کے درمیان اور نہ ہی ان کے بعد کی کسی تفسیر سے جو ہمارے سامنے ہیں، موازنہ کر سکتے ہیں۔ ہم نے ان دونوں جیسی کوئی تفسیر نہیں دیکھی اور نہ کوئی تفسیر ان کا مقابلہ کر سکتی ہے۔ علماء کے نزدیک یہ تفسیر، حدیث کے طالب علموں کے لئے اسانید و متون کی معرفت اور نقد و جرح میں بہت معاون ہے۔ اس لحاظ سے یہ ایک عظیم علمی کتاب ہے اور اس کے

نوٹ: مکتبہ قدوسیہ، لاہور نے چند سال قبل اس تفسیر کا اردو ترجمہ از مولانا محمد جونا گڈھیؒ، کمپیوٹر کتابت میں بڑے خوبصورت انداز میں شائع کیا۔ چونکہ زبان قدرے پرانی تھی لہٰذا محمد مسعود عبدہٗ سے اس کی زبان و بیان کی اصلاح بھی کرائی گئی۔ یہ ترجمہ ۴ جلدوں میں شائع ہوا ہے اور اردو دان طبقے میں اسے خاصی پذیرائی ملی ہے۔

اسی طرح معروف اشاعتی ادارے 'دارالسلام پبلشرز نے' عربی زبان میں المصباح المنير في تهذيب ابن كثير کے نام سے اس تفسیر کی تلخیص دو رنگوں میں اٹلی سے طبع کرائی ہے۔ یہ تلخیص مکہ مکرمہ میں مقیم مولانا ابوالاشبال شاغف نے کی ہے جس پر مولانا صفی الرحمٰن مبارکپوری نے نظر ثانی فرمائی ہے۔ اس میں بہت سے ایسے امور کا دھیان رکھا گیا ہے جس نے اس تفسیر کے حسن و خوبی کو چار چاند لگا دیے ہیں، مثلاً دار احیاء الکتب کے قدیم مصری نسخے سے دیگر پانچ محقق نسخوں کا تقابل..... ملنے والے اضافہ جات کا بریکٹوں میں اندراج..... اسماء الرجال میں ہونیوالی خطا پر تحقیق کر کے بریکٹوں میں اس کی تصحیح..... مباحث پر عنوان بندی..... آیات و احادیث مرفوعہ کو اعراب لگانا..... مکرر اقوال و احادیث کا حذف..... ضعیف احادیث کا اِخراج..... مولانا مبارکپوری کے مفید اضافہ جات اور مشکل الفاظ کی تشریح وغیرہ

اسی طرح تفسیر ابن کثیر کا انگریزی ترجمہ بھی ۱۰ جلدوں میں دارالسلام نے شائع کیا ہے۔ (محدث)

بہت فوائد ہیں'' (۶۳)

انسائیکلو پیڈیا آف اسلام کا 'تفسیر ابن کثیر' کے بارے میں یہ بیان ہے:

''ابن کثیر کی تفسیر بنیادی لحاظ سے فقه اللغة کی کتاب ہے اور یہ اپنے اسلوب کے لحاظ سے اوّلین کتب میں شمار ہوتی ہے۔ بعد میں سیوطی نے جو کام کیا، اس پر اس کے اثرات دیکھے جاسکتے ہیں'' (۶۴)

خلاصہ کلام یہ کہ امام ابن کثیر ان تمام علوم و شرائط پر حاوی نظر آتے ہیں جن کا جاننا ایک مفسر کے لئے ضروری ہے۔ انہوں نے نہایت تحقیق اور دِقت نظری سے تفسیر قرآن کو مرتب کیا ہے جو قیمتی معلومات کا گنجینہ اور نہایت گراں بہا تفسیری ورثہ ہے۔ اگرچہ توسع کی بنا پر اس کتاب میں بعض مقامات پر اعلیٰ اور بلند محدثانہ معیار خاطر خواہ قائم نہیں رہ سکا ہے، تاہم اہل نظر کو اعتراف ہے کہ محدثانہ نقطہ نظر سے یہ سب سے زیادہ قابل اعتماد تفسیر ہے۔ کتبِ تفسیر بالماثور میں اس کو امتیازی مقام حاصل ہے اور متاخرین نے ایک بنیادی مصدر کی حیثیت سے اس سے خوب استفادہ کیا ہے۔ جو شخص قرآن حکیم کے مطالب و معانی اور اسرار و رموز سے آگاہ ہونا چاہتا ہے وہ تفسیر ابن کثیر سے بے نیاز نہیں ہوسکتا۔ ☆☆

حوالہ جات

۱۔ الداودی، طبقات المفسرین، ۱/۱۱۲۔ بعض مؤرخین نے ابن کثیر کا سن ولادت ۷۰۰ ہجری قرار دیا ہے۔ ملاحظہ ہو، شذرات الذہب لابن العماد، ۶/۲۳۱، ذیل طبقات الحفاظ لجلال الدین السیوطی، صفحہ ۳۶۱، مطبعۃ التوفیق بدمشق، ۱۳۴۷ھ، عمدۃ التفسیر عن الحافظ ابن کثیر لاحمد محمد شاکر، ۱/۲۲، دار المعارف القاہرۃ، ۱۳۷۶ھ/۱۹۵۶ء۔ اسماعیل پاشا بغدادی، امام ابن کثیر کا زمانہ ولادت ۷۰۵ ہجری بیان کرتے ہیں۔ ملاحظہ ہو، ہدیۃ العارفین، اسماء المؤلفین و آثار المصنفین، ۱/۲۱۵، وکالۃ المعارف، استانبول، ۱۹۵۵ء امام صاحب کے سن ولادت کے بارے میں اسماعیل پاشا البغدادی کا بیان درست معلوم نہیں ہوتا کیونکہ امام صاحب کے والد ۷۰۳ ہجری میں فوت ہوئے۔ امام ابن کثیر کا اپنا بیان ہے کہ میں اپنے والد کی وفات کے وقت تقریباً تین سال کا تھا۔ ملاحظہ ہو، البدایہ والنہایۃ لابن کثیر، ۱۴/۳۲، خود امام ابن کثیر اپنی کتاب ''البدایہ والنہایۃ'' میں ۷۰۱ھ کے واقعات بیان کرنے کے بعد لکھتے ہیں ''وفیھا ولد کاتبہ اسماعیل بن عمر بن کثیر القرشی'' (البدایہ والنہایہ، ۱۴/۲۱)

۲۔ احمد محمد شاکر، عمدہ التفسیر، ۱/۲۲۔ بعض مآخذ کے مطابق ابن کثیر دمشق کے مضافات میں مشرقی بصریٰ کی ایک بستی ''مجدل القریۃ'' میں پیدا ہوئے۔ (ملاحظہ ہو، ذیل تذکرۃ الحفاظ لابی المحاسن شمس الدین الحسینی، صفحہ ۵۷، مطبعۃ التوفیق، دمشق، ۱۳۴۷ھ) جبکہ مطبوعہ 'البدایہ والنہایۃ' میں 'مجدل القریۃ' منقول ہے (البدایہ والنہایہ لابن کثیر، ۱۴/۳۱) عمر رضا کحالہ نے مقام ولادت ''جندل'' تحریر کیا ہے۔ (معجم المؤلفین، ۳/۲۸۴، مطبعۃ الترقی بدمشق، ۱۳۷۶ھ/۱۹۵۷ء)

۳۔ الذہبی، شمس الدین، تذکرۃ الحفاظ، ۴/۱۵۰۸، مطبعۃ مجلس دائرۃ المعارف العثمانیہ، حیدرآباد دکن الھند، ۱۳۷۷ھ/ ۱۹۵۸ء ابن العماد، شذرات الذہب، ۶/۲۳۱، الشوکانی، محمد بن علی، البدر الطالع بمحاسن من بعد القرن السابع، مطبعۃ السعادۃ القاھرہ، الطبعۃ الاولیٰ، ۱۳۴۸ھ

۴۔النعیمی، عبدالقادر بن محمد، الدارس فی تاریخ المدارس، ۱/۳۷، مطبعۃ الترقی، دمشق، ۱۳۶۷۔۷۰ھ

۵۔ابن کثیر، عمادالدین اسماعیل بن عمر، تفسیر القرآن العظیم، ملاحظہ کیجئے بالترتیب: ۱/۳۶۳، ۳/۴۷۸، ۱/۷۹، ۳۲۷، ۴/۴۵۷، ۱/۵۴۳، ۳/۵۵۵، ۱/۲۹۲، ۱/۲۹۴، ۱/۲۴۳، ۲/۱۴۹، امجد اکیڈمی لاہور، الباکستان ۱۴۰۳ھ/۱۹۸۲ء

۶۔تفصیل کے لئے دیکھئے، تفسیر ابن کثیر، ۱/۳۔۶ ۷۔ایضاً: ۳/۲۴۶

۸۔ایضاً: ۳/۲۰۰، خود ابن کثیر نے بھی حدیث سجل کے رد میں ایک جزء تحریر کیا ہے جس کا حوالہ انہوں نے اپنی تفسیر میں دیا ہے، ملاحظہ ہو صفحہ مذکور

۹۔ابن کثیر، تفسیر: ۱/۲۱۶ ۱۰۔ایضاً: ۱/۳۰۳ ۱۱۔ایضاً: ۱/۵۰۱

۱۲۔ایضاً: ۱/۵۳۶ ۱۳۔ایضاً: ۱/۴۹۹ ۱۴۔ایضاً: ۲/۳۰۴

۱۵۔ایضاً: ۱/۱۵۳ ۱۶۔ایضاً: ۴/۵۶۵ ۱۷۔ایضاً: ۱/۱۹۳

۱۸۔ایضاً: ۱/۲۱۶۔۲۱۷ ۱۹۔ایضاً: ۱/۵۰۴۔۵۰۵ ۲۰۔ایضاً: ۲/۸۹۔۹۱

۲۱۔ایضاً: ۱/۴۲۶۔۴۲۷ ۲۲۔ایضاً: ۳/۴۰۳ ۲۳۔ایضاً: ۲/۳۶۴

۲۴۔۳/۳۳۰ ۲۵۔ایضاً: ۱/۶۲ ۲۶۔ایضاً: ۱/۳۷

۲۷۔ایضاً: ۱/۳۵۔۳۸ ۲۸۔ایضاً: ۱/۳۲۔۳۵، نیز ملاحظہ کیجئے ۲/۵۵۷ ۲۹۔ایضاً: ۴/۳۴۴

۳۰۔ایضاً: ۱/۱۴۸ ۳۱۔ایضاً: ۱/۵۲۶ ۳۲۔ایضاً: ۳/۶۷

۳۳۔ایضاً: ۱/۱۲۴ ۳۴۔ایضاً: ۲/۱۶ ۳۵۔ایضاً: ۱/۲۱۷

۳۶۔ایضاً: ۲/۲۷۵ ۳۷۔ایضاً: ۳/۳۲۹، ۳۳۰ ۳۸۔ایضاً: ۲/۲۰۲

۳۹۔ایضاً: ۲/۲۵۹ ۴۰۔ایضاً: ۱/۴۲۔۴۳ ۴۱۔ایضاً: ۱/۵۵۹

۴۲۔ایضاً: ۱/۲۹۴ ۴۳۔ایضاً: ۲/۳۵۹ ۴۴۔ایضاً: ۱/۲۱۵

۴۵۔ایضاً: ۲/۲۱۱ ۴۶۔ایضاً: ۳/۱۸۱۔۱۸۲ ۴۷۔ایضاً: ۱/۱۱۰

۴۸۔ایضاً: ۳/۱۸۱ ۴۹۔ایضاً: ۱/۵۵۹۔۵۶۰ ۵۰۔ایضاً: ۳/۱۸۸۔۱۸۹

۵۱۔ایضاً: ۳/۱۹۰ ۵۲۔ایضاً: ۱/۳۱۵ ۵۳۔ایضاً: ۴/۲۷۲

۵۴۔ایضاً: ۱/۲۵۰۔۲۵۱ ۵۵۔ایضاً: ۱/۲۱۹ ۵۶۔ایضاً: ۲/۴۹۵

۵۷۔ایضاً: ۱/۳۰ ۵۸۔ایضاً: ۱/۴۲، نیز ملاحظہ کیجئے ۲/۲۸۶

۵۹۔ایضاً: ۲/۴۵۸ ۶۰۔ایضاً: السیوطی، ذیل طبقات الحفاظ، صفحہ ۳۶۱

۶۱۔الشوکانی، محمد بن علی، البدر الطالع بمحاسن من بعد القرن السابع، ۱/۱۵۳، مطبعۃ السعادۃ القاھرہ، الطبعۃ الاولیٰ، ۱۳۴۸ھ

۶۲۔الحسینی، ذیل تذکرۃ الحفاظ، صفحہ ۵۸۔۵۹

۶۳۔احمد محمد شاکر، عمدۃ التفسیر، ۱/۶

64- H.Laoust, Article: Ibn Kathir, the Encyclopaedia of Islam, Vol-III, P.818.